پروگرام کے مطابق وہ اگر اپنی زندگی گزاریں تو یقیناً صحت مند و توانا ہو سکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ الاثم والاثام اسم للافعال المبطئة عن الثواب، وجمعه آثام ولتضمنه لمعنی البطء۔ المفردات فی غریب القرآن، کتاب الالف، ص ۱۰، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی۔

۲۔ تدبر قرآن، جلد ۸، ص ۷۷، حاشیہ زیر آیت متعلقہ سورہ طور

۳۔ ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا، جلد ۱، ص ۱۵۳، (۱۹۹۵ء)

The disurder has affected primarily homo sexual or bi sexual men, particularly those with many sexual partners.

۴۔ ایضاً The first cases of AIDS were diagnosed in 1981.

۵۔ ایچ آئی وی کی روک تھام میں دینی رہنماؤں کا کردار۔ اولین اشاعت، جاری کردہ نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام، حکومت پاکستان، ص ۹

۶۔ ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا۔ Victims of AIDS lose the ability to fight off disenses.

۷۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، رقم الحدیث ۶۳۹۲۔

حاك الشئ فی صدری۔ فلاں چیز میرے دل میں جم گئی۔ ماحاک سیفہ: اس کی تلوار نے نہیں کاٹا، کہتے ہیں ضربه فما احاك فيه سيفه: اس نے تلوار ماری مگر کارگر نہیں ہوئی۔ (یہ ہمیشہ نفی ہی میں مستعمل ہوتا ہے) المنجد (عربی اردو) ص ۲۳۹، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، جولائی ۱۹۹۴ء

۸۔ ایچ آئی وی کی روک تھام، ص ۴۱

۹۔ المراد بالسئیات والحسنات ملکتهما لا نفسهما ای يبدل عزوجل بملكة السئيات ودواعيها في النفس ملكة الحسنات بان يزيل الاولى ويأتي بالثانيه۔ جلد ۱۹، روح المعانی، ص ۵۰، مکتبہ امدادیہ، ملتان۔

۱۰۔ اور جو کوئی واپس پلٹ کر آ جائے، ہمیشہ کے لیے صحیح روش اپنا لے تو بلاشبہ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنا، اپنے انجام کے اعتبار سے نہایت شاندار ہوگا۔

۱۱۔ صاحب مجید نے زندگی کی خوشگواریوں کے چھن جانے کو ظلم کہا ہے۔ اور ایڈز کا مریض بھی زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہوتا ہے۔

۱۲۔ ایچ آئی وی کی روک تھام، ص ۳۹

۱۳۔ ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا There is as yet no known treatment that can reverse teh immune defect of AIDS.

۱۴۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، رقم الحدیث ۵۶۳۶

عورتوں کے مسائل اور ان کا حل

بیواؤں کی شادی کا مسئلہ

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج
استاذ الفقہ والتفسیر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

جس معاشرہ میں کنواری لڑکیاں اپنے رشتوں کے انتظار میں بیٹھی ہوں وہاں بیوہ عورتیں اپنے مقدروں کو نہ روئیں تو کیا کریں۔ کنواریوں میں تو پھر کنوار پن کی کشش ہوتی ہے۔ جسمیں اکثر جہیز آڑے آ جاتا ہے۔ بیوہ عورتوں میں بیوگی کا "عیب" ہی انکی غیر مقبولیت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ الا یہ کہ ان کا عیب، انکی مالداری میں چھپ جائے تو بات دیگر ہے۔ اور یہ بھی صرف ان بیواؤں کے لئے ہے جو خوبصورت، جوان اور پرکشش ہونے کے ساتھ ساتھ بچوں کے لاحقے سے محفوظ ہوں۔ بچوں کے ساتھ، بیوہ عورتوں سے شادی کرنا ہمارے معاشرے کا چلن ہی نہیں۔

حالانکہ قرآن مجید نے مردوں کو دوسری تیسری اور چوتھی شادی کی اجازت اسی تناظر میں دی ہے۔ یہ اجازت انہی بیواؤں کی مرہون منت ہے مگر حیرت ہے کہ جن بیواؤں کے دم قدم سے مردوں کو یہ سہولت (Opportunity) دی گئی تھی، وہی عورتیں مردوں کے اس فیض صحبت سے محروم ہیں۔ گویا پردہ ہمارے نام سے اٹھا عید منائی لوگوں نے

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وان خفتم الّا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنیٰ وثلٰث وربٰع ط فان خفتم الّا تعدلوا فواحدۃ ۔۔۔ الآیہ (النسآء ۳)

اگر تم اس اندیشے میں ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو ان (یتیموں کی) ماؤں سے نکاح کر لینا جو تمہیں مرغوب ہوں۔ دو دو، تین تین، چار چار۔۔۔۔ اور اگر تمہیں ان کے مابین عدل نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرنا۔

گویا ایک سے زائد شادیوں کی اجازت عدل کی شرط پر موقوف ہے۔ اور جہاں ادائی شرط کی استطاعت نہ پائی جائے وہاں یہ حکم ہے کہ دوسری شادی سے گریز کیا جائے۔ اس لیئے کہ شادی صرف وظیفہ زوجیت کی ادائیگی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ فریق ثانی کی تمام تر سماجی و معاشی ضرورتوں کی کفالت بھی اسمیں شامل ہے۔

بیوہ عورتیں اپنے نکاح میں خود مختار بنائی گئیں ہیں۔ وہ اپنے نکاح میں کسی ولی کی اجازت کی محتاج نہیں ہیں۔ اس مقام پر بیوہ عورتیں، کنواریوں سے ایک درجہ اونچی معلوم ہوتی ہیں۔ کنواری عورتوں سے نکاح کے باب میں، پوری قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی یہ اشارہ نہیں ملتا کہ وہ اپنے نکاح منعقد کرنے میں خود مختار بنائی گئی ہیں۔ البتہ نکاح کرنے میں انکی آزاد مرضی کا عمل دخل سو فیصد تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس آزاد مرضی کو ان کے اولیاء کی اجازت پر موقوف کیا گیا ہے۔ یہ گھریلو معاملات میں اسلام کا حسن انتظام ہے۔ تاہم اگر کسی کنواری کے حق میں یہ حسن مبدل بہ سوئے انتظام ہو جائے تو اسے اولیاء کی مرضی سے ہٹ کر از خود نکاح کرنے کی یقیناً اجازت ہوتی ہے۔ مگر یہ استثنائی صورت حال ہے۔ عمومی صورتحال وہی ہے۔ جو اوپر مذکور ہوئی۔

مگر بیوہ عورتوں کو قرآن مجید کی رو سے یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنا معاملہ از خود طے کریں اور ان کے اولیاء انہیں سہولیات فراہم کریں۔ جیسا کہ ارشاد ہوا۔

فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف ط (الآیہ)
(البقرہ/۲۳۴)

اور جب بیوہ عورتیں اپنی عدت پوری کرلیں تو وہ اپنی ذات کے بارے میں معروف طریق پر جو چاہیں فیصلہ کریں۔ اس کا تم پر کوئی بار نہیں ہے۔

اپنے حق میں پسندیدہ طریق پر کچھ کرنے سے مراد بالعموم نکاح کو لیا جاتا ہے۔ تاہم اس سے مراد نکاح ثانی کی غرض سے زینت وغیرہ کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ بہر دو صورت بیوہ عورت اپنے معاملات میں خود مختار کر دی گئی ہے۔ انکی آیت کو دیکھتے ہوئے اول الذکر مراد زیادہ صحیح اور برمحل دکھائی دیتی ہے۔ بالمعروف کی قید سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امر مشروع پسندیدہ طریق پر ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نے طریق نکاح کو معروف کے لفظ سے بیان کر کے خود نکاح کے ''امر معروف'' ہونے کو واضح کر دیا ہے۔

مطلب یہ کہ قرآن کی رو سے بیوہ عورت کا نکاح ''امر معروف'' ہے۔ جو لوگ اسے عار سمجھتے

ہیں وہ قرآن کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دراصل بیوہ عورتوں سے نکاح، ہندو معاشرت کے اثر سے ہمارے کلچر میں بطور عار کے داخل ہوا ہے۔ حالانکہ اسلامی معاشرت میں اسے امر معروف قرار دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں مردوں کو بیوہ عورتوں سے نکاح پر ابھارا گیا ہے۔

ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النسآء او اکننتم فی انفسکم ط علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا تواعدوھن سرا ان تقولوا قولا معروفا ط ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ ط ۔۔۔۔۔ (البقرہ/۲۳۵)

اس پر تمہارا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ جو تم اشارۃً (بیوہ) عورتوں کو نکاح کا پیغام دو یا اپنے دلوں میں چھپائے رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ان کا خیال رکھو گے لیکن ان سے خفیہ وعدہ مت کرو۔ ہاں پسندیدہ بات بیشک کہو اور نکاح کی گرہ کو پختہ مت کرو، یہانتک کہ مقرر کیا ہوا وقت اپنی انتہا کو پہنچ جائے۔

اس آیت سے جو نکات سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ بیوہ عورتوں کو ایام عدت میں نکاح کا اشارہ دیا جا سکتا ہے۔ اس اشارہ سے مقصود، بیوہ عورتوں کی دلجوئی ہے تا کہ وہ اپنے مرحوم شوہر کے صدمے سے خود کو ہلاک نہ کر لیں۔ تمہارے پیام نکاح سے ان میں توانائی اور ایک نئی امنگ پیدا ہو جائے گی۔ جو بیوہ اور اسکے بچوں کے لئے نئی زندگی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ ہندو معاشرت میں مرحوم شوہر کے ساتھ بیوہ کو ستی کرنے کا رواج تھا۔ جبکہ اسلامی معاشرت میں بیوہ کو پیغام نکاح سے نئی زندگی کی نوید سنائی گئی ہے۔

۲۔ بیوہ عورتوں سے کسی خفیہ وعدہ کو منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ خفیہ وعدہ انہیں کسی غلط راہ پر ڈال سکتا ہے۔

۳۔ حتی یبلغ الکتاب میں کتاب سے مراد عدت ہے۔ جو فرض کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ بیوہ جب تک عدت میں ہو، اس وقت تک نکاح کا صراحتاً ذکر ممنوع ہے۔

۴۔ ولا تعزموا عقدۃ النکاح سے معلوم ہوتا ہے کہ عقدۂ نکاح کا فاعل مرد ہوتا ہے۔ اس لئے اسے ناکح کہا جاتا ہے اور عورت کو منکوحہ۔

بیوہ عورت سے نکاح بصرف عمل مسنون ہی نہیں ایک سماجی ضرورت بھی ہے۔ سماجی ضرورت یوں کہ شوہر دیدہ اور لذت آشنا عورت کا مرد کے بغیر رہنا، کنواری کے مقابلے میں زیادہ خطرناک اور مشکل

ہوتا ہے۔ اگر بیوہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے تو اس کے خراب ہونے کا امکان کنواری کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام کی معاشرت میں بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ خود بیواؤں کو ان کے اپنے نکاح کا خود مختار بنادیا گیا ہے۔ تا کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے، خود اپنے شوہر منتخب کریں۔

یہاں تک کہ اگر اس کے مرحوم شوہر نے اس کے لئے وصیت کر دی ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اسکی بیوہ کو ایک سال تک نان نفقہ اور سکنیٰ فراہم کیا جائے۔ یعنی عدت کے بعد بھی سات ماہ بیس دن تک اسکی معاشی ضروریات کی کفالت کا ذمہ لیا جائے۔ تب بھی وہ اس امر کی مجاز ہے کہ بعد از عدت اپنی زندگی کا نیا ساتھی تلاش کرے اور اپنا گھر بسائے۔ البتہ اس صورت میں اسے مرحوم شوہر کے وصیت والے نان ونفقہ سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف ط۔ (البقرہ/۲۴۰)

اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے عورتیں چھوڑ جائیں (تو انہیں چاہیے کہ) اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک گھر سے نکالے بغیر، اُنکی معاشی ضروریات پوری کی جائیں۔ ہاں اگر وہ خود (اپنے مرحوم شوہر کا) گھر چھوڑ دیں تو تم پر اس کا کوئی بار نہیں، جو انہوں نے بھلائی سے اپنے حق میں کیا ہے۔

آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی وصیت کو، عورت کی ضرورت کے پیش نظر اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جسمیں عورت کو یہ اذن حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو وصیت سے ایک سال تک فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ یوں قرآن مجید نے بیوہ عورت کی کم از کم ایک سال تک کی معاشی کفالت کا انتظام، مرحوم شوہر کے دیگر ورثاء کے ذمہ لگا دیا ہے اور اس عرصہ میں باقی زندگی کے لئے کسی نئے "کفیل" کو ڈھونڈنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳ میں مسلمان مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بیوہ عورتوں کو اپنا شریک حیات بنائیں۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۱ اور ۲۳۵ میں خود بیوہ عورتوں کو اپنے نکاح کا خود مختار و مجاز بنایا گیا ہے۔ اور سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۵ میں مردوں کو، بیواؤں سے نکاح کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ اور اب وہ آیت دیکھئے۔ جسمیں معاشرہ کے اجتماعی ضمیر کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ وہ تمام بے نکاحوں کے نکاح

کرانے کی فکر کریں۔

وانکحوا الایامیٰ منکم۔۔ (النور/۳۲)

اور جو تم میں بے نکاحے ہوں تم ان کے نکاح کراؤ۔

آیت میں ایامیٰ کا لفظ آیا ہے۔ یہ لفظ بہت جامع ہے۔ ایامیٰ، ایم کی جمع ہے اور ایم کا لفظ ہر مجرد یعنی بے نکاح شخص پر بولا جاتا ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ مجرد کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ جس نے ابھی تک نکاح نہ کیا ہو۔

۲۔ نکاح تو کیا ہو مگر اب وہ اپنا زوج کھو چکا ہو۔

جو لوگ بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی سے روکتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اس لیئے کہ قرآن تو اسلامی معاشرہ کی ذمہ داری یہ قرار دے رہا ہے کہ وہ تمام بے نکاحوں کے نکاح کی سبیل پیدا کریں نہ کہ رکاوٹ۔ سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ اپنے شوہر کے انتقال کے وقت حاملہ تھیں۔ وضع حمل کی مدت باختلاف روایات چالیس دنوں پر مشتمل تھی۔ وضع حمل کے بعد جب انہوں نے نکاح کا ارادہ کیا تو اسے برا سمجھا گیا۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تو نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے تو کر، کیونکہ وضع حمل سے تیری عدت پوری ہو چکی ہے۔ ۱ (یعنی چار ماہ دس دن مکمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے) گو اس روایت میں بنیادی طور پر تعیین عدت میں اختلاف کی صورت کا بیان پایا جاتا ہے۔ تاہم اس سے بیوہ عورت کے نکاح ثانی کی تعجیل کا بھی پتہ چلتا ہے۔

بیواؤں سے نکاح کرنے کی فضیلت اور اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کا پہلا نکاح جس خاتون سے کیا تھا وہ بیوہ ہی تھیں۔ اور وفات ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد بھی آپ ﷺ نے بیشتر نکاح، جن عورتوں سے کیئے وہ بیوائیں تھیں۔

حوالہ

۱۔ سید محمود آلوسی بغدادی (متوفی ۱۲۷۰ھ) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، الجزء الثامن والعشر ون ص ۱۳۹، مکتبہ امدادیہ، ملتان، سنہ اشاعت درج نہیں۔

کم سنی کی شادی ـــــ بچوں سے زیادتی

نکاح دو ایسے افراد کے مابین سماجی معاہدہ کا نام ہے۔ جو عاقل و بالغ ہوں۔ اور بر ضا و رغبت ایکدوسرے کو قبول کریں۔ مگر ستم ظریفی دیکھیے کہ ہمارے معاشرے میں یہ وہ سماجی معاہدہ ہے کہ جو دو غیر عاقل و بالغ افراد کے لیئے کوئی تیسرا فرد بھی انجام دے سکتا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ جن کے بارے میں یہ معاہدہ کیا گیا ہوتا ہے۔ بعض اوقات اپنی صغر سنی اور بے عقلی کی وجہ سے انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ انکی آئندہ کی زندگی کا فیصلہ انکے بزرگوں نے اپنے اختیار سے کر دیا ہے اور اب ان کے لیئے اس فیصلے پر امناً و صدقنا کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

پاکستان کے دیہی علاقوں بالخصوص سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں اس طرح کے نکاحوں کا رواج بہت زیادہ ہے۔ شاید اسی لیئے وہاں کے مرد، جب جوان اور سمجھدار ہو کر اپنی عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو اپنی پسند کی ایک شادی اور کرتے ہیں اور یوں پہلی بیوی کو عضو معطل بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں جبکہ تلافی (Compensation) کے طور پر اپنی جائیداد غیر منقولہ میں بالعموم اسی کو شریک بنا دیتے ہیں۔ اس طرح اپنی دوسری بیوی کو، چاہتوں میں شریک کرتے ہیں لیکن عموماً اپنی جائیداد میں عضو معطل بنا دیتے ہیں۔ یوں دونوں بیویاں ہی مرد کے ظلم کا شکار ہوتی ہیں۔

اس ضمن میں اسلامی تعلیم یہ ہے کہ ایسے نکاحوں کو روکا جائے۔ کیونکہ عمر نکاح، بلوغ کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اور یہ بلوغ، جہاں جسمانی ہوتا ہے وہیں عقلی بھی ہوتا ہے۔ جب تک یہ دونوں بلوغ اکٹھے نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک یہ رشتہ قائم نہیں ہونا چاہیے۔ (استثنائی صورتیں، اس عموم سے خارج ہیں)

قرآن کی رو سے نکاح کا تعلق بلوغ سے ہے۔

وا بتلوا الیتامیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح ۔ (النساء/۶)

اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو، یہانتک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔

آیت میں بلوغ کی بجائے "نکاح" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ نکاح، بلوغ کو مستلزم ہے۔ لہٰذا کم عمری کی شادی، از روئے قرآن صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک لڑکے کا سن بلوغ کامل طور پر اٹھارہ اور لڑکی کا سترہ سال ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک پندرہ سال ہے۔ [1] یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ شادی کے لیئے فقط جسمانی بلوغ ہی کافی نہیں ہوتا، عقلی بلوغ بھی لازم ہوتا ہے۔ جیسا کہ حتیٰ اذا بلغوا النکاح کے ساتھ آیا ہے۔

فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم۔ (النساء/۶)

اور اگر تم ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ [2]

اس فقرہ میں عمر نکاح کو رُشد (عقلی بلوغ) کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ ویسے تو یہ قرآنی حکم مال کی حوالگی یعنی قبضہ و تصرف کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے۔ مگر اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جب مال کی اہمیت اسقدر ہے کہ وہ بغیر رُشد کے "بالغوں" کے حوالے نہیں کیا جا سکتا تو کسی "جان" کو فقط جسمانی بلوغ کے ثبوت پر کیسے حوالے کیا جا سکتا ہے؟ کیا ہماری نگاہ میں کسی کا "وجود" مال سے بھی کم تر ہے کہ جسے حوالے کرنے کے لیئے کسی رُشد (عقلی پختگی) کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی دوسرے یہ کہ جس طرح بعض صورتوں میں بلوغ کی علامات ظاہر نہیں ہو پاتیں مگر عمر ہو جاتی ہے تو اس صورت میں ہمارے پاس عقلی بلوغ (رُشد) وہ واحد پیمانہ ہوتا ہے کہ جس سے حقیقی طور پر جواز نکاح کو ناپا جا سکتا ہے۔ اس لیئے بمقتضائے نص نکاح کے لیئے جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ، عقلی صلاحیت بھی اس درجہ کی درکار ہونی چاہیئے جس درجہ کی حوالۂ مال میں ضروری سمجھی جاتی ہے۔

ازدواجی زندگی کے قیام و استحکام، مسرت و شادمانی اور ذہنی مطابقت و موافقت کا راز، دراصل ان دونوں صلاحیتوں کی یکساں موجودگی میں ہی ممکن ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک بھی صلاحیت کا مفقود ہو جانا، شادی کی لازوال مسرتوں کو، حسرت و یاس اور زوال شادمانی میں تبدیل کر دینے کے مترادف ہے۔

والدین بالعموم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا اہم فرض یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی جلد از جلد شادیاں کر دیں۔ اس فرض کو نبھانے میں وہ اسقدر تیزی اور مستعدی دکھاتے ہیں کہ بچوں کو بڑا بھی نہیں ہونے دیتے کہ کسی کے پلّے باندھ دیتے ہیں یا کم از کم منسوب کر دیتے ہیں۔ اور اپنے تئیں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنا فرض منصبی ادا کر دیا ہے۔ حالانکہ والدین کا اولین فرض یہ بنتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی بہتر سے بہتر تعلیم و تربیت کریں۔ ان کے اندر نیکی کا جوہر پیدا کریں اور ان کی صلاحیتوں کے مطابق انہیں معاش پیدا

کرنے کے قابل بنائیں تا کہ وہ اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہو سکیں۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے یہ خود ان بچوں کا حق ہے، جسے استعمال کرنے کا موقع انہی کو ملنا چاہیے۔ البتہ اس سلسلے میں انکی رہنمائی ضرور کی جانی چاہیے۔ بچوں کو اس طرح تربیت دینے سے ان میں ذمہ دارانہ احساس پیدا ہوتا ہے۔ جو آگے چل کر ان کی ازدواجی زندگی کی بہتری اور ترقی کا سبب بنتا ہے۔

کم عمری میں شادی نہ ہونے کا اشارہ ہمیں اس آیت سے بھی ملتا ہے۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء ۔ (النساء/۳)

پس تم ان عورتوں سے نکاح کرو، جو اچھی، عمدہ اور پاکیزہ ہوں۔

پہلی بات تو یہ کہ فانکحوا صیغہ امر ہے۔ یعنی حکم شرعی ہے۔ اور یہ حکم کسی غیر مکلف کو نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ بچہ اپنی طفولیت کی باعث، اس حکم کا مخاطب نہیں۔ اس لیئے وہ نکاح بھی نہیں کرسکتا۔ دوسرے یہ کہ اس آیت میں "ما طاب لکم" بھی آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو ان عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو عمدہ اور پاکیزہ ہوں اور صغر سنی میں بچہ، عورت کی عمدگی اور پاکیزگی کو نہیں جان سکتا۔ اس لیئے بھی چھوٹی عمر میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ تیسرے یہ کہ آیت میں "النساء" کا لفظ موجود ہے۔ جسکا مطلب "عورتیں" ہیں نہ کہ بچیاں۔ چنانچہ النساء کا لفظ، خود انگلی رکھ کر بتا رہا ہے کہ شادی کے لیئے فریق ثانی کا "عورت" ہونا ضروری ہے۔ غرض کہ یہ آیت بھرپور طریقے سے کم سنی کی شادی کی ممانعت کا اعلان کر رہی ہے۔

کم سنی کی شادی کے خلاف اس آیت میں بھی استدلال موجود ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا ۔ (النساء/۱۹)

اے ایمان والو تمہارے لیئے حلال نہیں ہے کہ عورتوں کے جبراً وارث بن جاؤ۔

جب بالغ عورتوں کے ساتھ زبردستی کرنے سے روکا گیا ہے تو نابالغ بچیوں سے نکاح کرنا، بدرجۂ اولیٰ جبر و اکراہ میں آئے گا۔ اس لیئے کہ کوئی نابالغ بچی اپنی پسند اور مرضی کے اظہار و بیان میں نا اہل تصور کی جاتی ہے۔ اور بالفرض اگر وہ اظہار بھی کر دے تو بھی اس کا اظہار، شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً غیر معتبر قرار پائے گا۔ کیونکہ اظہار اور چیز ہے اور فریق ثانی کی حیثیت سے معاہدہ بننا اور۔ نکاح صرف اظہار پسندیدگی کا نام نہیں ہے بلکہ عملاً ایک معاہدہ کا نام ہے۔

کم سنی میں شادی کے خلاف یہ آیت بھی ہمارا استدلال بنتی ہے۔

والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثة قروء ۔ (البقرہ/۲۲۸)

اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک انتظار کریں۔

اس آیت میں مطلقۂ مدخولہ کی عدت تین قروء (حیض یا پھر طہر) بتائی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ بچیوں سے نکاح صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بصورت طلاق مع ادخال انکی عدت کا کوئی پیمانہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ عدم حیض کی وجہ سے ان پر حالت طہر کا بھی اطلاق نہیں ہو سکے گا کہ طہر کے لیئے حیض کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور کم سنی میں اس صفت کا ہونا مفقود ہے۔

مناسب ہوگا کہ یہاں قُروء کی قدرے وضاحت کردوں۔ قُروء قُرء کی جمع ہے۔ اور قرء دراصل حالت طہر سے حالت حیض میں داخل ہونے کا نام ہے بایں صورت یہ لفظ ذومعنیین ہے۔ اس لیئے دونوں حالتوں کا جامع ہے۔ اس لیئے بعض اوقات دونوں میں سے کسی ایک معنیٰ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور یہ خصوصیت صرف اسی لفظ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وہ اسم جو دو معنوں کے لیئے وضع کیا گیا ہو وہ الگ الگ بھی ہر ایک کے لیئے بولا جاسکتا ہے۔ جیسے مائدہ کا لفظ، جو دسترخوان اور طعام دونوں کے لیئے وضع کیا گیا ہے مگر دونوں میں سے کسی ایک کے لیئے بھی بولا جاتا ہے۔ پس ثلثة قروء کا مطلب ہوگا۔ عورت کا تین دفعہ حالت طہر سے حالت حیض میں داخل ہونا۔ چنانچہ اس لفظ سے بھی پتہ چلا کہ حالت عموم کے تحت نابالغی کا نکاح ناقابل فہم ہے۔

صغر سنی کی شادی کی ممانعت پر، اس آیت سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انیٰ شئتم و قدموا لانفسکم ۔ (البقرہ/۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ پس جب چاہو تم اپنی کھیتیوں میں جاؤ۔ اور اپنے لیئے (کچھ) آگے بھیجو۔

اس آیت میں بیویوں کو شوہروں کی کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس تشبیہ میں عورتوں کے بلوغ کی موجودگی بہت واضح اور نمایاں نظر آتی ہے۔ کیونکہ صحبت باہمی (جو نکاح کو مستلزم ہے) کا مقصود حقیقی، نسل انسانی کو بڑھانا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نابالغ لڑکی اپنے کاشت کار کے لیئے کھیتی کا کردار ادا کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔ اس لیئے نسل انسانی کو بڑھانے کا سبب بھی نہیں بن سکتی۔

آیت حیض میں بھی نابالغی کے نکاح کی ممانعت پر صاف دلیل موجود ہے۔

ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذیً فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتیٰ یطھرن ج فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللہ ۔ (البقرہ/۲۲۲)

اور آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ بتادیجئے کہ یہ ضرر رساں چیز ہے۔ پس حالت حیض میں بیویوں سے الگ رہو بلکہ (مقاربت کے لیئے) ان کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ پاک و صاف ہولیں۔ پھر جب خوب اچھی طرح نہالیں تو (بغرض صحبت) ان کے پاس جاؤ۔ جس طرح تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔

یہاں سوال کی نوعیت حالت حیض میں صحبت کرنے کی ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے اس لیئے "معواذی" میں اشارہ صحبت کی طرف ہے نہ کہ حیض کی طرف۔ مطلب یہ کہ حیض میں بذات خود، کوئی ضرر نہیں، البتہ اس حالت میں صحبت کرنا دونوں کے لیئے ضرر رساں ہے۔ تبھی تو مقاربت سے روکا گیا ہے۔

حالت حیض میں بیویوں کے پاس جانے کی ممانعت کا حکم اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ عورتیں مکمل طور پر بالغ ہوچکی ہیں۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نابالغی میں عورت کا نکاح، اسلام کو مطلوب نہیں ہے۔

کم سنی کی شادی پر مجوزین نے قرآن کی ایک آیت سے استدلال کیا ہے۔ اس لیئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کو بھی سمجھ لیا جائے۔

والیٔ یئسن من المحیض من نسا کم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر والیٔ لم یحضن۔
(الطلاق ۴)

اور جو تمہاری عورتیں (بوجہ زیادتی عمر) حیض سے مایوس ہوچکیں، اگر تمہیں شک ہو تو انکی عدت تین ماہ ہے۔ اور (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے)۔ جنہیں (کسی مرض کے سبب) حیض نہیں آیا۔

بالعموم ہمارے مفسّرین نے لم یحضن سے مراد ان لڑکیوں کو لیا ہے۔ جو نابالغ ہوتی ہیں۔ پھر اسی سے انہوں نے "نابالغی میں نکاح" کو ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ واضح ہو کہ عدت کا مسئلہ صحبت و مقاربت کے بعد متحقق ہوتا ہے۔ اس لیئے نابالغی میں تین ماہ کی عدت کا مطلب یہ ہوا کہ بچی کے ساتھ، نابالغی میں "صحبت" بھی کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ عدم صحبت پر کوئی عدت نہیں ہے۔

ایسے نکاح کو آپ تصور میں لایئے اور بتایئے کہ کیا یہ لڑکی کے ساتھ ظلم نہیں ہے کہ قدرت نے ابھی اسے اس مقصد کے لیئے تیار بھی نہیں کیا۔ اور ہم اسے اپنی جنسی خواہش کا نشانہ بنارہے ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے "شریعت" بھی سمجھ رہے ہیں۔ کیا کسی ایسے بچے کو گوشت کھلایا جاسکتا ہے جو ابھی تک صرف دودھ پیتا ہو؟ کیا کسی ایسے بچے کو دوڑایا جاسکتا ہے، جس نے ابھی صحیح طور پر چلنا بھی نہ سیکھا ہو؟ کیا

کسی ایسی بچی کو صحبت کے لیئے استعمال کیا جاسکتا ہے جو جنسی معاملات اور دو طرفہ ملاپ کی خبر بھی نہ رکھتی ہو اور نہ فریق مخالف کو جھیلنے کی سکت اپنے اندر پاتی ہو۔ کیا ہمارے علماء یہ فقہی مسئلہ بھول گئے کہ حرّہ و بالغہ کے ساتھ بغیر مرضی و رضامندی کے صحبت نہیں ہوسکتی۔ پھر کس قدر ظلم ہے کہ ایک طرف تو یہ مسئلہ ہو اور دوسری طرف اس نابالغ بچی سے زبردستی صحبت کرنے پر اصرار ہو۔ جو ابھی تک ضرورت نکاح کی تفہیم سے ہی عاری ہو۔ پھر ایسی بچی بھلا اس فعل پر اپنی مرضی کیسے بتاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بچی کے ساتھ جو کچھ بھی ہوگا۔ وہ مکمل طور پر یکطرفہ اور بالجبر ہوگا۔ اسلامی معاشرہ کو چھوڑیئے ہم سمجھتے ہیں کہ کسی بھی انسانی معاشرہ میں ایسے جبر کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے خیال میں یہاں "لم یحضن" سے مراد جو "صغیرہ" کو لیا گیا ہے۔ دراصل یہ اسی کا شاخسانہ ہے۔ حالانکہ ہمارے مفسرین نے صغیرہ کے ساتھ ایک مفہوم اور بھی اخذ کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک وہ مفہوم درست بھی ہے۔ مگر افسوس کہ درست ہونے کے باوجود وہ مفہوم ان کے ہاں سند قبولیت حاصل نہ کرسکا۔ تاہم یہ بھی بسا غنیمت ہے کہ اسے ضمنی حیثیت کا درجہ تو مل گیا۔ اگر یہ بھی نہ ملتا تو ہم کیا کرسکتے تھے۔

اسی مؤخر الذکر مفہوم کی وجہ ترجیح و تقدیم میں ہمارے پاس وہ قرآنی دلائل ہیں۔ جن سے کم سنی کی شادی کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ (اور جو اوپر مذکور ہوئے) جبکہ مجوزین کے پاس، سوائے اس مقام کے، کوئی قرآنی دلیل نہیں ہے۔ اور ان کے حق میں اس دلیل کی جو کچھ بھی حقیقت اور حیثیت ہے۔ وہ آپ کے سامنے ہے۔

واضح رہے کہ جس طرح مرد کے بلوغ کا تعین، احتلام یا پھر سن سے ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت کے بلوغ کا تعین، حیض یا پھر عمر سے ہوتا ہے۔ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہوا کہ عورت کو حیض نہ آنا اس کے نابالغ ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ اسطرح کی عورتوں کو باعتبار حیض نہ سہی باعتبار عمر بالغ تصور کیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت میں ایسی ہی بالغ عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ بعض عورتیں، ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں تمام عمر حیض نہیں آتا ہے۔

ذیل میں ہم ان مفسرین کے اقوال درج کیئے دیتے ہیں۔ جنہوں نے لم یحضن کی تفسیر دونوں طرح سے کی ہوئی ہے۔

ا۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی فرماتے ہیں۔

یعنی وہ صغیرہ ہوں یا عمر تو بلوغ کی آگئی مگر ابھی تک حیض نہ شروع ہوا۔ انکی عدت بھی تین ماہ ہے۔